نام کتاب	:	**شاہراہ آزادی**
مؤلف	:	ڈاکٹر وحید احمد
ترجمہ	:	ڈاکٹر اعجاز
صفحات	:	۴۲۹
قیمت	:	اعلی ایڈیشن ۲۰۰ روپے
	:	عام ایڈیشن ۱۲۵ روپے
ناشر	:	قائداعظم اکادمی ، کراچی

یہ کتاب ڈاکٹر وحید احمد کی انگریزی تصنیف Road to Indian Freedom کا ترجمہ ہے۔ جو جناب ڈاکٹر اعجاز نے کیا ہے ، اور خوب کیا ہے۔ درحقیقت اصل کتاب ڈاکٹر وحید احمد کا وہ عالمانہ مقالہ ہے جو انہوں نے ۱۹۶۹ء میں پی ایچ ڈی کے لئے کیمبرج یونیورسٹی میں پیش کیا تھا ۔

بقول مصنف اس کتاب میں ,,ان تمام عوامل سے بحث کی گئی ہے جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء جیسی ضخیم اور اہم قانونی دستاویز کی تکمیل میں محرک رہے ہیں ،، ۔ اسی وجہ سے,,۱۹۳۵ء کے ایکٹ نے ایک اہم مقام حاصل کر لیا ہے ،، ۔ کیونکہ ہندوستان اور پاکستان کے دساتیر میں اکثر دفعات ۱۹۳۵ کے ایکٹ کی ترمیم شدہ نقل نظر آتی ہیں مثلاً صوبائی حکومتوں کی ساخت، مجالس شوریٰ ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گورنروں کے تقرر اور اختیارات ، سول سروس کا ڈھانچہ وغیرہ ۱۹۳۵ کے ایکٹ ھی سے اخذ کردہ ہے۔

اس کتاب کو لکھے ہوئے بیس سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے۔ لیکن تاریخ و سیاست کے طلبہ کے لئے یہ آج بھی بنیادی دستاویز کا کام دے سکتی ہے۔ مصنف نے جس عرق ریزی اور کاوش سے تمام متعلقہ ریکارڈ کھنگالا ہے وہ قابل داد ہے اور اس سے پاکستان میں بالخصوص دستور سازی کی تاریخ پر مفصل روشنی پڑتی ہے۔ اگرچہ یہ بجائے خود تحریک پاکستان کی تاریخ نہیں ہے۔

ڈاکٹر وحید احمد کی تحقیق کے رہنما آنجہانی ڈاکٹر پریسول سپیئر Percival Spear نے درست کہا ہے کہ ,,ڈاکٹر وحید احمد (قانون ھند مجریہ ۱۹۳۵ کی تشکیل میں سے) بعض اسناد تک رسائی حاصل کرنے والے پہلے محقق ھیں " اور انھوں نے ,,اصلی مواد کے اس سرمائے سے کام لینے میں بے حد کاوش کی ہے " ۔

ھندوستان، پاکستان کے دساتیر کو سمجھنے کے لئے ۱۹۳۵ کے قانون سے واقفیت تاریخ وسیاسیات کے طالب علم کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ھم منزل بہ منزل کس طرح اپنے مقصد تک پہنچے ۔ یہ قانون ھندوستان میں بڑھتے ہوئے قومی شعور اور حکومت برطانیہ کے اس احساس کے تحت وجود میں آیا کہ ,,ھندوستانی قوم پرستی ایک ایسی قوت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا " ۔ حکومت برطانیہ کو احساس تھا کہ اس کی عالمی طاقت کا شھرہ رو بہ انحطاط ہے۔ اور اس کے لئے ھندوستان جیسے باشعور ملک بر تا دیر قبضہ برقرار رکھنا ناممکن ہوگا ۔ آزادی کی جو خواھش اور جذبہ ۱۹۱۹ء سے پیدا ھوا تھا اسے بالجبر دبانا اب برطانیہ کے لئے ممکن نہ رہا تھا ۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۵ء تک کئی مراحل

ایسے آئے کہ ہندوستانی زعماء اور برطانوی حکومت کے درمیان تعطل پیدا ہوا، مگر یہ حقیقت ہے کہ اگر ہندوستان و پاکستان کی آزادی سے پہلے ۱۹۳۵ء کا قانون نافذ نہ ہو چکا ہوتا تو دونوں (نئی) حکومتیں شدید انتشار کا شکار ہو جاتیں ۔

مصنف نے پہلے باب میں ۱۹۳۵ء کے قانون کی تشکیل ونفاذ کا پس منظر بیان کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ۱۹۳۵ء کی"آئینی اصلاحات کے نفاذ کا فارمولا جس محنت اور جانفشانی سے مرتب کیا گیا تھا اس کی مثال اس سے پہلے ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی " ۔ اس کی بنیاد تو ۱۹۱۹ء میں رکھ دی گئی تھی ۔ لیکن عرصہ دراز تک برطانوی حکومت کے لیت و لعل ، انڈین نیشنل کانگریس کے بائیکاٹ اور سوراجیوں کی کارروائیوں وغیرہ کے سبب کامل ذمہ دار حکومت کا قیام عمل میں نہیں آ سکا ، ۱۹۲۴ء ہی میں ہندوستانی لیڈروں نے ہندوستان کے لئے آئینی سکیم مرتب کرنے کے لئے ایک نمائندہ گول میز کانفرنس طلب کرنے کا مطالبہ کیا ۔ اس وقت کے وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ کے نزدیک ہندوستانی لیڈر کسی سکیم پر متفق نہ ہو سکتے تھے ۔ اور اس نے یہ چیلنج دیا تھا کہ ,,وہ کوئی ایسا آئین تیار کرکے دکھا دیں جس پر ہندوستان کے عظیم باشندوں کے مختلف گروہ متفق ہوں،، ۔ برکن ہیڈ شروع ہی سے ہندوستانیوں کو کمشن سے الگ رکھنے کا خواہش مند تھا ۔ اس وقت کے وائسرائے لارڈ ارون کی بعض خامیوں کے باوجود تنظیمی دانشمندی نے گول میز کانفرنس کے انعقاد کی راہ ہموار کی ۔ لیکن اس میں کانگریس اور حکومت کے درمیان مفاهمت نہ ہونے کی وجہ سے بات ۱۹۳۱ء تک التوا میں جا پڑی ۔ بہرحال قانون ساز اسمبلی کے منتخب مسلم ارکان نے متعدد موقعوں پر ہندو ہم وطنوں کے ساتھ مل کر ووٹ دیا ۔ اس سے پہلے ۱۹۲۷ء میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئینی اصلاحات پر ہندوستانی لیڈروں سے بات چیت کے لئے سائمن کمشن ہندوستان آیا ۔ مگر ہندو اور مسلمان سبھی معتبر لیڈروں نے اس کا مقاطعه کیا اور قائداعظم نے تو خم ٹھونک کر کمشن کے خلاف باضابطه مہم شروع کی کیونکه کمشن میں ہندوستانی نمائندوں کو شامل نہیں کیا گیا تھا ۔ بہرحال بقول مصنف ,,ہندوستانیوں میں سنگین نوعیت کے فرقه وارانه اختلافات موجود تھے لیکن اختلافات کی تہه میں آزادی کی مشترکه آرزو اور اس کے حصول کے لئے جہاد کا جذبه موجزن تھا " ۔

دوسرے باب میں وائسرائے ہند، لارڈ ارون کے کردار پر بحث ہے۔ اور حق یه ہے که پوری دیانتداری سے ارون کی ان کوششوں کو اجاگر کیا گیا ہے جو اس نے ہندوستان کو مستعمرہ بنانے کے لئے کیں ۔ وہ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۲ء تک ہندوستان کا وائسرائے رہا ۔ پہلے دو سال تو اسے حالات کو سمجھنے میں صرف ہوئے ۔ لیکن بعد کے چار برس میں اس نے اپنی (برطانوی) حکومت کی ناراضگی کے باوجود ہندوستان کو ایک آئینی نظام دینے کی بھرپور کوشش کی ۔ وہ پہلا وائسرائے تھا جس نے ہندوستانی لیڈروں کے نقطه نظر کو سمجھا اور پوری شدت اور خلوص سے اپنی حکومت کو پیش کیا ۔ مثلاً اس نے یه محسوس کیا که ہندوستان کے تمام سیاسی طبقے حکومت برطانیه سے اس لئے ناراض ہیں که ہندوستان کے مستقبل کا فیصله کرنے میں انہیں پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ انہیں باتوں کی وجه سے اس میں اور وزیر ہند میں ٹھن گئی ، ارون نے ایک طرف تو سائمن کمشن کو نظر انداز کیا اور دوسرے گول میز کانفرنس منعقد کرنے کی ہندوستانی مطالبے کی حمایت کی ۔ اس کے نزدیک ہندوستان کا مسئله لاینحل نہیں تھا ۔ ارون کا تعلق کنزرویٹیو پارٹی سے تھا اور اس کی

کامیابی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ ۱۹۲۹ء میں حکمران لیبر پارٹی نے گول میز کانفرنس کی تجویز اور ہندوستان کو برطانوی مستعمرہ کا مرتبہ دینے کے تصور کا گرمجوشی سے خیر مقدم کیا ۔ ہندوستان کی رائے عامہ بھی ارون کے خلوص کی قائل ہو گئی ۔

ارون کا ایک اور کارنامہ یہ تھا کہ اس نے کانگرس کے ساتھ امن کا سمجھوتہ طے کیا ۔ (گاندھی ۔ ارون پیکٹ) ۔ کانگرس نے اس کے نتیجے میں سول نافرمانی کی تحریک ترک کر دی، لندن کانفرنس میں شرکت منظور کر لی اور برطانوی مصنوعات کا مقاطعہ ختم کر دیا ، حکومت نے سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا اور جرمانے معاف کر دیئے ۔ ارون اس بات پر بھرپور یقین رکھتا تھا کہ سلطنت ہندوستان کے تحفظ کی بہترین صورت اہل ہندوستان کی سیاسی امنگوں کی بھرپور تسکین ہے ۔ اسی لئے اس نے گول میز کانفرنس کی ٹھوس تجویز دی اور ہندوستان کے پیچیدہ مسئلے کے مشکل پہلوؤں کو اپنے بعد آنے والے کے لئے آسان بنا دیا ۔

تیسرے باب میں ,, والیان ریاست اور کل ہند وفاق کا تصور،، پیش کیا گیا ہے ۔ تاریخ سے آگاہ لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ ہندوستان میں دو ,,اکائیاں،، تھیں ۔ ایک برطانوی ہند اور دوسری ہندوستانی ریاستیں، دونوں کا نظم و نسق جدا تھا ۔ برطانوی ہند جمہوری طرز پر چل رہا تھا جبکہ ریاستوں میں مطلق العنانی کا دور دورہ تھا ۔ دونوں کو مربوط کرنے والی بالا دست قوت صرف وائسرائے تھا ۔ کل ہند وفاق ہندوستان کے آئینی ارتقا کے لئے ناگزیر تھا مگر اس کی راہ میں ریاستیں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں ۔ اگرچہ والیان ریاست خود وفاق کے قیام کے حامی تھے تاہم برطانوی ہند اور ریاستوں کو ایک نظام کے تحت لانا دشوار تھا ۔ ریاستیں اپنا علیحدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجود برقرار رکھنے پر مصر تھیں جبکہ ہندوستانی لیڈر ریاستی نظام کے مخالف تھے۔ ۱۹۲۹ء میں بٹلر کمیٹی نے بھی والیان ریاست کو ان کی مرضی کے خلاف برطانوی ہند میں قائم ہونے والی کسی نئی حکومت کے ساتھ منسلک کرنے کو مسترد کر دیا تھا ، حالانکہ مہاراجہ بیکانیر نے خود یہ کہا کہ ,,ہندوستان کے مسئلے کا آخری حل وفاق ہے ،، ۔ اس کے برعکس سائمن کمشن نے اپنی رپورٹ میں ,,وفاق کو مصنوعی طور سے والیان ریاست پر زبردستی مسلط کرنے کی کوشش کے خلاف خبردارکیا تھا،،۔ والیان ریاست صرف یہ ضمانت چاہتے تھے کہ ,,اگر وفاق ایسا لائحہ عمل اختیار کرے جو عظیم تر ہندوستان کے مفادات کے منافی ہو تو انھیں وفاق سے علیحدہ ہونے کا حق حاصل ہوگا ،، ۔ لیکن قوم پرستی کی تحریک اور دوسرے حالات کے سبب جو برطانوی ہند میں رونما ہو رہے تھے ، برطانوی ہند اور ریاستوں کے درمیان خلیج روز بروز وسیع تر ہو گئی ۔ صحیح معنوں میں وفاق والیان ریاست کے اشتراک ھی سے عمل میں آ سکتا تھا ۔ تیج بہادر سپرو والیان ریاست کو یہ باور کرانے میں کامیاب تو ہو گئے کہ وفاق میں ان کے موجودہ حقوق و مراعات برقرار رھیں گے مگر والیان ریاست جبری الحاق کے شدید مخالف تھے ۔ انھوں نے یہاں تک کہا کہ کل ہند وفاق کی تجویز سے ہندوستانی ریاستوں کے وجود کو سنگین خطرہ لاحق ہو گیا ہے ،، ۔ اس کشمکش سے تنگ آ کر قائداعظم نے حکومت پر زور دیا کہ ,,وفاق کے قیام کا انتظار کئے بغیر مرکز کو ذمہ داری سونپ دی جائے ،، ۔ بالآخر جنوری ۱۹۳۱ء میں برطانوی وزیراعظم نے مرکز میں ذمہ دار حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا ۔

چوتھے باب میں ان تین گول میز کانفرنسوں کا ذکر ہے ۔ جو

۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء کے دوران میں لندن میں برطانوی حکومت اور ہندوستانی لیڈروں کے مابین ہوئیں اور جن میں ہندوستان میں وفاق کے ڈھانچے پر بات چیت ہوئی۔ پہلی کانفرنس میں کانگرس کے لیڈر شریک نہ ہوئے اور کانفرنس لاحاصل رہی ، البتہ برطانوی لیڈروں نے وفاق کی تجویز کے نتیجے میں مرکزی اور صوبائی دونوں سطحوں پر ہندوستان کو ذمہ داری دینے کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ دوسری گول میز کانفرنس (۱۹۳۱ء) میں وفاق کے خلاف زبردست عوامل کارفرما ہو گئے تھے اور صرف صوبوں کی حد تک مکمل ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی حمایت کی جا رہی تھی۔ مگر اس سلسلہ میں سب سے بڑی رکاوٹ فرقہ وارانہ مسئلہ تھا۔ اور مسلم مندوبین اپنے حقوق کی خاطر ڈٹے رہے۔ والیان ریاست کا رویہ بھی منفی تھا۔ ان حالات میں یہ کانفرنس بھی کسی فیصلے پر پہنچے بغیر ختم ہو گئی۔ ۱۹۳۲ء تک آئینی پیش رفت تعطّل کا شکار رہی۔ تیسری گول میز کانفرنس (۱۹۳۲) میں والیان ریاست نے شرکت سے اجتناب کیا اور ہندوستان کی آزادی کے حامیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ہندوستانی نمائندوں نے خود کو فرقہ وارانہ مسئلے تک محدود رکھا۔ بہرحال یہ کانفرنس پہلی دو کانفرنسوں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب رہی اور اس کی بدولت اہل ہندوستان کو وہ حیثیت ملی جس سے ماضی میں انھیں محروم رکھا گیا تھا "۔ کانفرنس کا اہم نتیجہ وفاق کی تجویز تھی لیکن وفاق کے قیام کا سمجھوتہ ابھی دور کی بات تھی۔

فرقہ وارانہ مسئلہ ہندوستان کے لئے آئین سازی میں بہت بڑی رکاوٹ بنا رہا۔ مصنف نے پانچویں باب میں اس کے ماله اور ماعلیه کا پوری دقت نظر سے احاطہ کیا ہے۔ مسلمانوں کی یہ خواہش تھی کہ جداگانہ انتخاب کا طریقہ رائج کیا جائے۔ کیونکہ مشترکہ طریقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتخاب میں وہ ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کے دست نگر بن جاتے ۔ اور انھیں اپنی عددی قوت سے کہیں کم نمائندگی ملتی ۔ اسی دور میں مسلمانوں میں تبلیغی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور ہندو مسلمانوں کو اپنے دین سے ہٹانے میں لگ گئے ۔ (شدھی) اس سے فرقہ وارانہ اختلافات مزید بڑھتے گئے ۔ مسلمانوں کی اکثریت کے مطالبات یہ تھے کہ قانون ساز اسمبلیوں میں خالصتاً آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے، علاقوں کی از سر نو حد بندی کی صورت میں بنگال ، پنجاب اور سرحد میں مسلمانوں کی اکثریت متأثر نہ ہو ، اور یہ کہ صوبہ سرحد کو دوسرے صوبوں کے مساوی حیثیت دی جائے ۔ مسلمانوں نے ,,تجاویز دھلی،، کے نام سے اپنے مطالبات ۱۹۲۷ء میں پیش کر دیئے تھے لیکن پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں نے ان کی شدید مخالفت کی ۔ اسی زمانے میں مسلمانوں نے دوٹوک الفاظ میں جداگانہ طریقہ انتخاب کی پرزور حمایت کی ۔ کانگرس کا خیال یہ تھا کہ یہ کوئی سیاسی مسئلہ نہیں بلکہ معاشرتی اور ثقافتی ہے اور مکمل مذہبی آزادی کی صورت میں فرقہ وارانہ مسئلہ عملاً حل ہو جائے گا ۔ یہ بات نہرو رپورٹ میں کہی گئی مگر مسلمانوں کے حق میں یہ کوئی خوش آئند دستاویز نہ تھی ۔ قائداعظم نے نہرو رپورٹ کے جواب میں اپنی طرف سے ,,چودہ نکات،، پیش کئے ۔ اس میں مشروط طور پر مخلوط طریقہ انتخاب کو قبول کیا گیا تھا کہ پہلے سندھ الگ صوبہ بن جائے اور سرحد و بلوچستان میں اصلاحات نافذ ہو جائیں ۔ گویا مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر قومی جدوجہد میں حصہ لینے کو آمادہ تھے بشرطیکہ ان کے اکثریتی علاقوں میں انھیں سیاسی کنٹرول حاصل ہو۔ ان ,, چودہ نکات ،، میں وفاق کی بھی سفارش تھی ۔ مسلمانوں کی اکثریت جداگانہ انتخاب کو ترک کرنے پر رضامند نہ تھی ۔ ۱۹۳۰ء

© rasailojaraid.com

میں علامہ اقبال نے الہ آباد میں جو خطبہ دیا اس میں انھوں نے شمال مغربی ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کے اندر یا باہر، ایک مسلم مملکت کے قیام کی تجویز پیش کی " ۔ اس سے مسلمانوں میں علیحدگی پسندی کا رجحان شدت سے پیدا ہوا ۔

حکومت برطانیہ نے اگست ۱۹۳۲ء میں فرقہ وارانہ تصفیے کا اعلان کیا ۔ اس میں مسلمانوں کو ان کے مطالبے سے کم دیا گیا ۔ پنجاب اور بنگال میں انھیں ان کی آبادی کے تناسب سے کم نشستیں دی گئیں ۔ مسلمانوں کا فرقہ وارانہ رائے دھی کا اصول تسلیم کر لیا گیا اور جن صوبوں میں اقلیت میں تھے وہاں انھیں نسبتاً زیادہ نمائندگی دی گئی ۔ بعض ہندوؤں اور سکھوں نے اس کی مخالفت کی، لیکن حکومت برطانیہ نے انھی سفارشات کو قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء میں شامل کر لیا ۔ ہندوؤں نے اپنی کج فھمی کی بنا پر مسلمانوں سے مصلحت کے کئی موقعے گنوا دیئے ۔ اگر وہ اپنی بات پر اڑے نہ رہتے تو ہندوستان میں وفاق کی منزل نزدیک آ جاتی اور فرقہ وارانہ مسائل بھی حل ہو جاتے ۔ ان کی اس ضد نے مسلمانوں کو علیحدہ مملکت کے قیام کے لئے تیار کر دیا اور چند سال بعد جب قائداعظم نے علیحدہ مسلم مملکت کا مطالبہ کیا تو مسلمانوں نے بلا تامل ان کی آواز پر لبیک کہا ۔

چھٹے باب میں برطانوی پارلیمنٹ میں اصلاحات پر بحث کا تذکرہ ہے۔ ہندوستان کے بارے میں ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء کو قرطاس ابیض شائع ہوا ۔ اس میں ہندوستانیوں کے بہت سے مطالبات کا ذکر تھا ۔ مگر والیان ریاست کا موقف غیر یقینی تھا ۔ قرطاس ابیض میں وہ تمام بنیادی اصول آگئے تھے جو تیسری گول میز کانفرنس میں طے پائے تھے ۔ وزیر ہند کا عہدہ جوں کا توں تھا جو سول سروس اور پولیس

© rasailojaraid.com

سروس کا انچارج بھی تھا ۔ ,,قرطاس ابیض کا سب سے ناخوشگوار پہلو گورنر جنرل کے اختیارات و فرائض تھے" ۔ صوبوں میں بھی ہندوستانیوں کے بہت سے امور گورنروں کے سپرد کر دیئے گئے تھے ۔ ہندوستانیوں نے قرطاس ابیض کے بارے میں مخالفانہ رد عمل کا اظہار کیا اور اسے خود مختاری کی سکیم نہ سمجھا ۔ بہرحال ,, پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے قرطاس ابیض کی تجاویز کی قطعی اکثریت سے توثیق کر دی " ۔ قرطاس ابیض میں یہ بات طے نہیں کی گئی کہ سلطنت برطانیہ میں ہندوستان کی حیثیت کیا ہوگی۔ پارلیمنٹ نے یکم اگست ۱۹۳۵ء کو اسے بل کی شکل میں منظور کر لیا ۔ اگلے دن اسے شاہی منظوری بھی حاصل ہو گئی اور اس بل کو ,,قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء" کی حیثیت حاصل ہو گئی ، لیکن وفاق قائم نہ ہونے سے بہت سے لوگوں کو شدید مایوسی ہوئی ۔

آخری باب میں مصنف نے بحث کو سمیٹتے ہوئے قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کا سیاسی تجزیہ کیا ہے ۔ اس قانون کو ,,دنیا کا سب سے طویل اور پیچیدہ آئین" قرار دیا گیا ہے ۔ یوں اس میں وہ تمام دفعات تھیں جو دنیا کے تمام (تحریری) آئینوں میں ہوتی ہیں مگر ہندوستان کے مخصوص حالات اور مفادات کی وجہ سے اس میں کئی نئی دفعات شامل تھیں مثلاً اقلیتوں، والیان ریاست برطانوی تجارتی مفادات اور سامراجی مفادات کا خاص خیال رکھا گیا تھا ۔ اس کے علاوہ اس میں گورنر جنرل اور گورنروں کو غیر معمولی اختیارات دیئے گئے تھے ۔ تحریری قانون ہونے کے باوجود اس میں ترمیم کی گنجائش نہایت محدود تھی ۔ اس میں ایک وفاقی عدالت قائم کرنے کا ذکر بھی تھا ۔ جہاں تک وفاق کا تعلق تھا صوبوں کے لئے اس سے مفر نہیں تھا لیکن ریاستوں کے لئے وفاق سے الحاق کو

لازمی قرار نہیں دیا گیا تھا ۔

مرکزی انتظامیہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا ۔ ایک وزارتی مجلس تھی جو زیادہ سے زیادہ دس ارکان پر مشتمل تھی ، دوسرا حصہ کونسلروں پر مشتمل تھا جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین تھی ۔ جن کا کام گورنر جنرل کے کارھائے منصبی میں مدد دینا تھا۔ گورنر جنرل کے اختیارات تقریباً لا محدود تھے ، بجٹ پر اسے پورا کنٹرول تھا، وہ ھنگامی قوانین جاری کر سکتا تھا اور بعض حالات میں اسے قانون وضع کرنے کا اختیار بھی حاصل تھا ۔

آئین کے دوسرے حصے کا تعلق صوبائی خودمختاری سے تھا ۔ اور یہ ۱۹۱۹ء کے قانون ھی کا چربہ تھا، لیکن آئین میں ,,صوبائی خود مختاری ،، کی اصطلاح کہیں استعمال نہیں کی گئی تھی ۔ صوبائی انتظامیہ میں دو عملی کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور وزراء مقننہ کے آگے جوابدہ تھے ۔ گورنر انتظامیہ کا سربراہ تھا مگر وفاقی ذمہ داری بھی نامکمل تھی کیونکہ گورنر کو بھی صوابدیدی اختیارات حاصل تھے ، اور گورنر ، گورنر جنرل کے تابع تھے ، افسوس ناک بات یہ تھی کہ گورنر جنرل اور گورنر سب غیر ملکی تھے ۔

ان تمام باتوں کے باوجود ,,یہ پہلا اور واحد آئین تھا جس میں سارے برصغیر کے لئے ایک جامع سیاسی اور انتظامی نظام،، وضع کیا گیا تھا ۔ قانون کے وفاقی حصے کی کامیابی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ریاستوں کی موجودگی تھی جنھیں الحاق پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا ۔

اختتامیہ میں ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کا ایک عمومی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ھندوستان کی سیاسی تاریخ میں یہ ایک اھم باب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ افسوسناک بات یہ ہے کہ ھندوستان کو

© rasailojaraid.com

مستعمراتی درجہ دینے سے گریز کیا گیا اور اسے ,,غلام کالونی،، بنا کر رکھ دیا گیا اور کوشش یہ کی گئی کہ ہندوستان ہمیشہ سلطنت برطانیہ میں شامل رہے ۔ کانگرس اس ایکٹ کی مخالف رہی اور ۳۷ ۔ ۱۹۳۶ء کے صوبائی انتخابات میں کانگرس کی شاندار کامیابی نے اس کے موقف کی تصدیق کر دی ۔ اگر برطانوی حکومت ، ہندوستان کو مستعمراتی درجہ دے دیتی تو شاید کامل آزادی کا مطالبہ کچھ عرصے کے لئے ٹل جاتا ۔ اور اس دوران میں ہندوستانی خود اپنے معاملات کو چلانے کے قابل ہو جاتے ۔ ہندوستان کے سیاسی نظام کے ارتقاء میں فقہ وارانہ مسئلہ بہت بڑی رکاوٹ تھا ، اور اسے نازک اور تکلیف دہ بنانے میں زیادہ ہاتھ کانگرس اور ہندو مہاسبھا کا تھا ۔ اگر کانگرس کے رویے میں لچک ہوتی تو ہندوستان کی تقسیم ناگزیر نہ ہوتی ۔ اس کے علاوہ اگر دوسری جنگ عظیم نہ ہوتی تو ممکن ہے وفاق قائم ہو جاتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ والیان ریاست کے الحاق کی کوئی صورت خود بخود پیدا ہو جاتی ۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۳۵ء کا ایکٹ بعد میں ہندوستان اور پاکستان کی آزاد مملکتوں کے لئے قیمتی اساس ثابت ہوا ۔

یقیناً یہ مقالہ ایک اچھی کاوش ہے جس پر بہت محنت کی گئی ہے اور ہندوپاکستان کی سیاسی تاریخ کے ارتقاء پر لکھی جانے والی کتابوں میں اختلافات کے باوجود ایک قابل قدر اضافہ ہے ۔ ضمیمہ جات ، سوانحی اشاروں اور اشاریہ نے کتاب کو بین الاقوامی سطح کے مطابق جامع بنا دیا ہے ۔

راجہ فخر محمد ماجد

ISLAMIC RESEARCH INSTITUTE

★★★

© rasailojaraid.com